© rasailojaraid.com

لفظ "امّت" کی تحقیق

احمد حسن فرحات

ترجمہ و تلخیص: محمد رضی الاسلام ندوی

اسلام کے خلاف سازش اور مسلمانوں پر ظلم و جور کا سلسلہ ایک مدت سے جاری ہے۔ پہلے صلیبی جنگوں کے ذریعے دشمنوں نے مسلمانوں کو شکست دینے کی کوشش کی تھی اور اپنے فرزندوں کے دلوں میں بغض و نفرت کے بیج بو دیے تھے اور اب مغربی فکری یورش کے نتیجے میں ہمارا ہر میدان متأثر ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ میدان بھی جو ہماری تہذیب کا خاص حصہ ہیں۔ چنانچہ فکری یورش اب ہمارے دین اور ثقافت تک پہنچ گئی ہے اور دشمن نے اس مضبوط قلعے کو جو اب تک امت کی حفاظت کرتا آیا ہے مسمار کرنے کے لئے اپنی پوری کوششیں صرف کر دی ہیں۔

اس مغربی حملہ کا ایک مظہر مستشرقین کی وہ بحثیں اور مطالعات ہیں جو وہ اسلامی ثقافت اور اسلامی علوم کے سلسلہ میں کرتے ہیں۔ یہ مستشرقین نصوص میں تحریف اور افتراء سے کام لیتے ہیں، اسلامی اصطلاحات کو اپنے مفروضہ مفہوم میں لے کر انھیں مسخ کر دیتے ہیں اور حیرت انگیز جرأت کے ساتھ عربی زبان اور اسلام کے بارے میں فیصلہ کر بیٹھتے ہیں اس طرح وہ اپنی بحثوں سے جو نتائج نکالتے ہیں وہ حقیقت سے بہت دور ہوتے ہیں۔

اس کی بہترین مثال "امّت" کی اصطلاح ہے جس پر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ایک مقالہ سپرد قلم کیا گیا ہے جو اسلامی ثقافت کے ایک اہم اور وسیع موضوع پر مستشرقین کی علمی کاوشوں کا ایک نمونہ ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ ایسی نہ جانے کتنی چیزیں ہیں جن سے مستشرقین کی تالیفات پُر ہیں۔ اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس قسم کی تحقیقات ہماری اسلامی ثقافت اور دین حنیف کے لئے کتنا بڑا خطرہ ہیں۔

لفظ 'امّت' کے بارے میں مستشرقین کے شبہات:

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں "امّت" کی اصطلاح کے سلسلے میں یہ مقالہ درج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے: 'امّۃ' : یہ لفظ قرآن میں گروہ یا جماعت کے معنی پر دلالت کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہ عربی لفظ 'اُم' سے مشتق نہیں ہے بلکہ درآمد لفظ ہے جو عبرانی لفظ 'اُمّا' یا آرامی لفظ 'اُمیتا' سے ماخوذ ہے۔ اسی لئے اس میں اور جن دوسرے معانی پر وہ دلالت کرتا ہے (جیسے زمانہ ھود۔ ۸، یوسف۔ ۴۵ اور نسل الزخرف۔ ۲۲ وما بعد) ان کے درمیان براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجنبی لفظ عربی زبان میں کچھ زمانہ پہلے داخل ہوا۔ بہرحال جو بھی ہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس لفظ کو استعمال کیا اور اس وقت سے یہ خالص اسلامی لفظ ہو گیا۔

قرآن کی جن آیات لفظ 'امّۃ'، جس کی جمع امم ہے۔ استعمال ہوا ہے۔ ان میں اس کے معانی مختلف ہیں۔ اسی لئے تدقیق کے ساتھ اس کے معنی کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کی ایسی جماعت پر دلالت کرتا ہے جن کے درمیان جنس، نسل، زبان یا مذہب کا تعلق ہو اور جن کا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حساب لے گا۔ اس معنی کی تائید کرنے والے دلائل ان آیات میں بھی ملتے ہیں جن میں مطلق 'امّۃ' کا لفظ بغیر کسی نسبت کے آیا ہے (جیسے الاعراف: ۱۶۴، القصص: ۲۳)۔

متعدد آیات میں لفظ 'امّۃ' نسل پر دلالت کے لئے بھی آیا ہے (جیسے الاعراف۔ ۳۸، حم السجدہ: ۲۵، الاحقاف: ۱۸) بعض آیات میں پوری کائنات پر دلالت کرتا ہے (الانعام: ۳۸) اور اس وقت اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو قیامت میں حساب و کتاب کے لئے دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور ان کے ساتھ جزا و سزا کا معاملہ کیا جائے گا۔

صرف ایک آیت میں فرد واحد (ابراہیمؑ) پر دلالت کرنے کے لئے مطلق استعمال ہوا ہے (النحل: ۱۲۰) وہاں اس کے معنی امام کے ہیں جیسا کہ علماء لغت کہتے ہیں یا ابراہیم کو امت اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اس جماعت کے سردار ہیں جسے انہوں نے خود برپا کیا اس طرح کل کا اطلاق جزء پر کیا گیا۔

اس کے علاوہ دوسری آیتوں میں اس لفظ کا اطلاق ہمیشہ بڑی جماعتوں پر ہوتا ہے یا وہ کم از کم ایسی جماعتوں پر دلالت کرتا ہے جو اپنے سے بڑی جماعتوں میں ضم ہو جائیں۔ اللہ نے ہر امت میں ایک رسول مبعوث کیا (الانعام: ۴۲، یونس: ۴۷، الرعد: ۳۰، النحل: ۳۶، ۶۳، ۸۴، المومنون: ۴۴، العنکبوت: ۱۸، المومن: ۵) یا ایک ڈرانے والا بھیجا جو انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا تھا (فاطر: ۲۴، ۴۲) لیکن وہ لوگ ستائے اور جھٹلائے گئے [illegible] (المومنون: ۴۴، العنکبوت:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸، مومن: ۵)۔ اسی لئے وہ انبیاء قیامت کے دن ان جھٹلانے اور تکلیفیں پہنچانے والوں کے خلاف شہادت دیں گے (النساء: ۴۰، النحل: ۸۴، ۸۹، القصص: ۷۵، البقرہ: ۱۴۲) ہر امت قیامت کے دن دوبارہ اٹھائی جائے گی (الانعام: ۱۰۸، الاعراف: ۳۷، یونس: ۴۷، الحجر: ۵، المومنون: ۴۳، النمل: ۸۳، الجاثیہ: ۲۷)۔

مختلف امتوں میں کچھ لوگوں نے انبیاء کی دعوت پر لبیک کہا اور ہدایت یاب ہو گئے لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لائے (النحل: ۳۶) یہ بات خاص طور پر اہل کتاب پر صادق آتی ہے ان میں سے ہدایت یافتہ لوگوں کو 'امم' کہا گیا ہے (آل عمران: ۱۱۳ و مابعد، المائدہ: ۶۵، الاعراف: ۱۵۹، البقرہ: ۱۲۸، ۱۳۴، الاعراف: ۱۶۷، ۱۸۱، ھود: ۴۸) یہ بڑی جماعتوں میں سے چھوٹے گروہ ہیں۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بارہا اس بحث کو چھیڑتے ہیں کہ لوگ جب ابتدا میں ایک امت تھے تو بعد میں مختلف امتوں میں کیسے بٹ گئے؟ اس کا حقیقی سبب وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ ایسا اللہ کی مشیت سے ہوا جس کا ہم ادراک نہیں کر سکتے (یونس: ۱۹، المائدہ: ۴۸، ھود: ۱۱۸، النحل: ۹۳، الشوریٰ: ۸) اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا سبب لوگوں کی سرکشی اور آپسی اختلاف ہے (البقرہ: ۲۱۳، الانبیاء: ۹۳، المومنون: ۵۳) ایک آیت میں اس کا سبب بنی اسرائیل کے بارہ امتوں میں تقسیم ہو جانے کو قرار دیا ہے (الاعراف: ۶۰، مزید دیکھئے ۱۶۸)۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ اقوال جن میں منطق سے زیادہ خطابت پائی جاتی ہے، ان اعتراضات کے جواب میں تھے جو ان کے مخالفین اہل کتاب کیا کرتے تھے۔ ورنہ وہ بذاتِ خود ایسا مشکل سوال اپنی جانب سے نہ اٹھاتے۔

لیکن جہاں تک 'امۃ محمدؐ' کا تعلق ہے تو اس کی تعین میں ہم کچھ اختلاف کریں گے۔ اس لئے کہ یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے۔ محمدؐ اپنی رسالت کے آغاز میں پورے عرب اور اپنے ہم وطن اہل مکہ کو ایک مستقل امت سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جس طرح اللہ نے گذشتہ امتوں کی جانب اپنے پیغمبر اور ڈرانے والے بھیجے تھے اسی طرح انھیں تبلیغ رسالت کے لئے امت عربیہ کی جانب مبعوث کیا ہے۔ اس وقت تک عرب میں کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا تھا اور اس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی پہلے کے رسولوں کی طرح تکذیب اور شدید ایذا رسانیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بت پرست اہل مکہ سے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلقات منقطع کرلئے اور اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے تو وہاں پہنچ کر انھوں نے ایک نئی جماعت قائم کی اور پورے اہلِ مدینہ کو ایک سیاسی جماعت بنا دیا۔ اس میں مسلمان بھی شامل تھے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے ان کی دینی دعوت قبول نہ کی تھی۔ نبی کا وہ معاہدہ جو انھوں نے انصار اور مہاجرین کے درمیان کیا تھا اور جس میں اس کی دفعات طے کی گئی تھیں اس میں صاف صراحت ہے کہ سب اہلِ مدینہ جن میں یہود بھی شامل ہیں، مل کر ایک امت ہیں (ابن ہشام صفحہ ۳۴۱، ۳۴۲ و مابعد) اگرچہ اس نئی امت میں غالب سیاسی صیغہ عارضی تھا۔

پھر بہت جلد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جیسے ہی یہ احساس ہو گیا کہ مدینہ میں ان کے مرکز کو استحکام حاصل ہو گیا ہے اور کفار مکہ کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں فتح ہونے لگی۔ انھوں نے اپنی دینی و سیاسی جماعت سے اہل مدینہ اور خاص طور پر یہود کو جنھوں نے آپ کے دین کو قبول نہیں کیا تھا نکال باہر کیا۔ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی امت میں صرف مسلمان رہ گئے۔ لفظ 'امّۃ' کا اطلاق صرف مسلمان پر ہونے لگا۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی اخلاقی اور دینی صفات کا اثبات کرنے لگے (آل عمران: ۱۱۰،۱۰۴) اور اہل کتاب سے تعلق منقطع کر لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آہستہ آہستہ اہلِ مکہ اور ان کے مرکز عبادت کعبہ کی طرف مائل ہونے لگے (البقرہ: ۱۱۹ و مابعد اور خاص طور پر آیت ۱۴۳، الحج: ۳۵،۶۶)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنی پہلی فکر کی طرف رجوع (یعنی ایسی امت کا قیام جو پورے عرب پر مشتمل ہو) ظاہری رجوع تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آخر میں جس نتیجہ تک پہنچے وہ نقطۂ آغاز سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ ایک عرب امت کے قیام کی فکر جسے انھوں نے ابتدا میں تسلیم شدہ مسئلہ کے طور پر پیش کیا تھا بہت محنت کے بعد پوری ہوئی تھی لیکن وہ ثانوی امر تھا۔ اصل چیز وہ دینی بنیاد تھی جس پر بعد میں امت قائم ہوئی۔ چنانچہ جو امت جو پہلے پورے عرب پر مشتمل تھی اب صرف مسلمانوں پر مشتمل رہ گئی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد بہت جلد جزیرۃ العرب کے باہر تک پھیل گئی اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک بڑی یونٹ بن گئی جس میں بہت سی نسلیں اور مختلف قومیں شامل تھیں۔"[1]

ویسے تو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا یہ پورا مقالہ بے بنیاد شبہات، تحریفات اور اتہامات سے پُر ہے لیکن اس میں جو بنیادی شبہات پیش کئے گئے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ لفظ 'امّۃ' کسی عربی لفظ سے مشتق نہیں ہے بلکہ عبرانی یا آرامی لفظ سے ماخوذ ہے۔ اس لئے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ان معانی میں باہم کوئی اشتقاقی ربط نہیں ہے۔

۲۔ قرآن میں 'امۃ' کے مختلف استعمالات ملتے ہیں۔ اس لئے اس کے کسی مخصوص معنی کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔

۳۔ 'امۃ' کی تشکیل کے بارے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر میں تدریج پائی جاتی ہے۔ انھوں نے آغاز رسالت میں 'امۃ' کا جو تصور پیش کیا وہ بعد میں پیش کئے جانے والے تصور سے یکسر مختلف ہے۔

ذیل میں ہم مستشرقین کے انھیں شبہات کا جائزہ لیں گے:

۱۔ 'امۃ' کی دلالت عربی زبان میں:

'امۃ' اسم مفعول کے معنی میں ہے اس کے معنی 'مقصود' کے ہے جیسے 'عمدۃ' اور 'عدۃ' 'معمود' اور 'معد' کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں[۱] یہ لفظ 'الاَمّ' سے مشتق ہے جس کے معنی 'قصد' کے ہیں۔ کہا جاتا ہے اُممت الیہ یعنی قصدت الیہ[۲]۔ ارشاد باری "وَلَآ آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ (المائدہ: ۲) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس میں آمین قاصدین کے معنی میں ہے۔

لغت میں 'امۃ' مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے فرد واحد جو جامع خیر ہو۔ امام۔ ایسی جماعت جس کی طرف کوئی رسول مبعوث ہوا ہو۔ ہر جاندار کی نسل، جنس، وہ شخص جو برسر حق اور دوسرے تمام ادیان کا مخالف ہو۔ زمانہ، قامت، ماں، چہرہ، سرگرمی، اطاعت، عالم، امۃ الوجہ سے مراد چہرہ کے نقوش، امۃ الرجل سے مراد قوم۔ امۃ اللہ سے مراد مخلوق[۴]۔ ایک لفظ کے مختلف معانی ہونے کی وجہ سے ہی مستشرقین کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اسے غیر عربی لفظ قرار دیدیں اس لئے کہ انھیں بظاہر ان معانی میں کوئی اشتقاقی ربط نظر نہ آیا۔

صاحب لسان العرب کا خیال ہے کہ "ان تمام معانی میں 'قصد' کا معنی پایا جاتا ہے جیسے امۃ بمعنی دین کہ لوگوں کا مقصود ایک ہی چیز ہے۔ امۃ بمعنی نعمت[۵] یعنی وہ چیز جسے تمام مخلوق چاہتی ہے اور اس کے حصول کا قصد کرتی ہے۔ امۃ بمعنی بے نظیر اور منفرد شخص یعنی اس کا قصد دوسرے تمام لوگوں کے قصد سے مختلف ہے"[۶] انھوں نے اگر اسی طرح دوسرے معانی میں بھی اشتقاقی ربط کی طرف اشارہ کردیا ہوتا تو ہمیں غور وفکر کی ضرورت ہی نہ پڑتی لیکن انھوں نے تمام معانی کا استیعاب نہیں کیا۔ اس لئے ہم علمائے لغت کے چھوڑے ہوئے اشارات کی مدد سے اس کے مختلف معانی میں اشتقاقی ربط تلاش کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کوشش کریں گے۔

ان معانی کو ہم چار مجموعوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلا مجموعہ: امۃ بمعنی جماعت (اس میں لوگوں کی جماعت، انبیاء کا اتباع کرنے والوں کی جماعت، علماء کی جماعت، ان لوگوں کی جماعت جن کی طرف انبیاء مبعوث ہوئے، ہر جاندار کی نسل یا جنس اور جماعت کی دوسری قسمیں شامل ہیں جن کا علمائے لغت نے ذکر کیا ہے)

دوسرا مجموعہ: امۃ بمعنی دین، ملت یا اطاعت یہ سب قریب المعنی الفاظ ہیں۔

تیسرا مجموعہ: امۃ بمعنی فرد واحد جب وہ برسر حق اور دوسرے تمام ادیان کا مخالف ہو یا بے نظیر ہو یا خیر کا جامع ہو یا عالم ہو یا اسوہ ہو یا امام ہو یا ربانی ہو، یہ تمام الفاظ مترادف ہیں جو ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں پیش کرتے ہیں۔

چوتھا مجموعہ: امۃ بمعنی وقت، زمانہ یا سال

ایک پانچواں مجموعہ بھی ہے جس میں امۃ کے معنی چہرہ اور قامت کے ہیں لیکن اس کا قرآن میں استعمال نہیں ہوا ہے یہ دونوں معانی 'قصد' کے معنی سے بعید نہیں ہیں اس لئے کہ ان دونوں کا استعمال بسا اوقات اس سمت کے بتلانے کے لئے ہوتا ہے جس کا انسان قصد کرتا ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں لا امۃ لبنی فلان یعنی بنی فلاں ایک سمت میں نہیں جا رہے ہیں بلکہ ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔ اس لئے ہم مقدم الذکر چاروں مجموعوں میں دیکھیں گے کہ ان کو کس طرح ایک اصل کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔

پہلا مجموعہ: امۃ بمعنی جماعت:

علمائے لغت اس بات پر متفق ہیں کہ امۃ کے اصلی معنی جماعت کے ہیں اور اسکے دوسرے معانی کو اس معنی اصلی کی جانب پھیرا جا سکتا ہے۔ امۃ کے معنی جماعت کیسے ہو گئے اور اس کا اشتقاق کی اصل سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب ابو البقاء اور حکیم ترمذی یہ دیتے ہیں کہ "امۃ جماعت کو کہتے ہیں اس لئے کہ لوگوں کے گروہ اس کا قصد کرتے ہیں۔ امۃ مقصود کے معنی میں ہے جیسے عمدۃ اور عدۃ کے معنی معمود اور معد کے ہوتے ہیں"۔[۵] اس سے اشارہ ملتا ہے کہ ان دونوں کے نزدیک امۃ اسم مفعول کے معنی میں ہے جبکہ طبری کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ امۃ اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ کہتے ہیں: "امۃ کی اصل لوگوں کی ایسی جماعت [illegible] ہو جاتے[۶] [illegible] مراد وہ جماعت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو دین کا قصد کرتی ہے۔

دوسرا مجموعہ: امّۃ بمعنی دین یا ملت:

اسی طرح علمائے لغت کا اتفاق ہے کہ امۃ دین کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے[11]۔ اس سلسلہ میں نابغہ کے مشہور شعر سے استدلال کرتے ہیں:

حلفت فلم اترك لنفسك ريبة — وهل يأثمن ذو أمة وهو طائع

اس میں ذو أمۃ سے مراد ذو دین ہے۔ أمۃ کے معنی دین اور ملت کے کیسے ہوگئے؟ اس کی توجیہ ابوالبقاء طبری اور ابن قتیبہ کے اقوال سے ہوتی ہے۔ ابوالبقاء کا قول ہے: "امۃ کا اطلاق دین یا ملت یا طریقہ پر بھی ہوتا ہے جس کا قصد کیا جاتا ہے[12]" اس صورت میں بھی امۃ اسم مفعول ہے۔ ابوجعفر طبری کا قول ہے کہ "امۃ دین کے معنی میں بھی آتا ہے اس کی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو ایک دین پر ہوتے ہیں امۃ کہا جاتا ہے اس طور پر امۃ کو دین کا قائم مقام کر دیا گیا[12]" ابن قتیبہ نے بھی قریب قریب یہی توجیہ کی ہے[13]۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ طبری کی تعریف میں دین سے مقصود وہ عملی طریقہ ہے جو انسانی کردار میں ظاہر ہوتا ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امۃ اطاعت اور طریقہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ گویا یہ دونوں معانی لفظ 'دین' کی تشریح ہیں۔

تیسرا مجموعہ: امّۃ بمعنی فرد واحد:

امۃ فرد واحد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے: "ہر وہ شخص جو تمام ادیان کی مخالفت کرتے ہوئے دین حق پر قائم ہو وہ بذات خود ایک اُمّۃ ہے 'امۃ' بے نظیر شخص کو بھی کہتے ہیں اور اس کا اطلاق ایسے شخص پر بھی ہوتا ہے جو خیر کا جامع ہو۔ اس سلسلہ میں بہت سے علمائے لغت نے زید بن عمرو بن نفیل کے سلسلے میں وارد حدیث سے استدلال کیا ہے[14] جس میں ہے: إنه يبعث يوم القيامة أمة واحدة (وہ قیامت کے دن ایک امت کی شکل میں اٹھائے جائیں گے)" احمد بن فارس اور ابوحاتم رازی نے کہا ہے کہ امۃ امام کے معنی میں ہے[15]۔

امّۃ فرد واحد کے لئے کیسے استعمال ہونے لگا؟ اس کی توجیہ صاحب لسان یہ پیش کرتے ہیں کہ "چونکہ فردِ واحد کا قصد تمام لوگوں کے قصد سے مختلف ہوتا ہے اس لئے اسے امّۃ کہتے ہیں[16]"۔ راغب اصفہانی نے "إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً" کی تفسیر میں کہا ہے کہ "امۃ کا مطلب ہے کہ فرد واحد اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی عبادت میں جماعت کے قائم مقام ہے"[۱۷] طبری نے لکھا ہے کہ "امۃ امام اور معلم خیر کے معنی میں ہے۔ فرد واحد کو جماعت سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ وہ ان اخلاق کا جامع ہوتا ہے جو ایک جماعت میں متفرق ہوتے ہیں"[۱۸] ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ: "فرد واحد اور اس کے متبعین مل کر ایک امۃ بنتے ہیں اس لئے اسے امۃ کہہ دیا گیا ہے کیونکہ وہ اجتماع کا سبب ہوتا ہے یا امۃ اس لئے بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کی ذات میں وہ تمام خوبیاں جمع ہوتی ہیں جو پوری امت میں منتشر ہوتی ہیں"[۱۹] ابو حاتم رازی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ ابوالبقاء نے صرف موخر الذکر توجیہ کا ذکر کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ صاحب لسان امۃ بمعنی فرد واحد کو 'قصد' کے معنی کی طرف پھیرتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ فرد واحد کے گرد لوگوں کے جمع ہونے یا اس میں خصائل خیر اکٹھا ہونے یا عبادت الٰہی میں امۃ کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے اسے امۃ قرار دیتے ہیں۔

چوتھا مجموعہ: امۃ بمعنی وقت، زمانہ یا سال:

امۃ زمانہ کے معنی میں بھی آتا ہے[۲۰] لیکن کیوں؟ اس کا جواب حکیم ترمذی یہ دیتے ہیں کہ "بہت سے سالوں میں دن اور مہینے جمع ہونے کی وجہ سے انھیں امۃ کہتے ہیں"[۲۱] لیکن اس قول کا امۃ کے دوسرے معانی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ظاہر ہوتا۔ لیکن مناسب ترین قول طبری، ابن قتیبہ اور راغب اصفہانی کا ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ "زمانہ اور سال کو امۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں امت ہوتی ہے"[۲۲] اور ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ "زمانہ کو امت اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ایک امت (لوگوں کی جماعت) ہوتی ہے اس لیے امۃ کو زمانہ کے قائم مقام کر دیا گیا"[۲۳] ایسا ہی قول راغب اصفہانی کا ہے[۲۴]۔

امۃ کے معانی میں باہمی ربط:

لفظ امۃ کے ان چاروں معانی پر دوبارہ نظر ڈالنے سے یہ صاف طور سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ کن مراحل سے گزرا ہے۔ سب سے پہلے امۃ کا اطلاق ایسے فرد واحد پر ہوتا ہے جو دین حق پر قائم اور دوسرے تمام ادیان کا مخالف ہو (اور وہ غالباً نبی یا اس کا متبع ہوتا ہے) ایسا شخص بے نظیر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ خیر کا جامع اور دوسرے لوگوں کے لئے پیش رو اور اسوہ ہوتا ہے۔

پھر اس کی دعوت کو کچھ لوگ قبول کرتے ہیں اور اس کے بتلائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں تو ان پر امۃ' کا اطلاق ہونے لگتا ہے ... ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر اگر امت اپنے دین اور عقیدہ سے عاری ہو جائے تو اپنی حقیقتِ وجود کھو دے گی۔ اسی لئے اس پر باعتبار ماضی امۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔ وہاں امۃ سے مراد وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں وہ امت اپنے دین پر قائم تھی۔ اس طرح قرآن اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تاریخ صرف زمانی اکائیوں کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں دینی اکائیوں کا بھی اعتبار ہونا چاہیے۔ اسی لئے قرآن کثرت سے گذشتہ قوموں کے لئے 'قرون' کا لفظ استعمال کرتا ہے جبکہ 'قرون' اصلاً 'زمانہ' پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے۔

۲۔ امۃ کا استعمال قرآن کریم میں :

لفظ 'امۃ' ان چاروں معانی میں قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں ہم قرآن کریم میں ان معانی کا تتبع کریں گے۔

الف۔ امۃ بمعنی جماعت :

امت کی اصل دلالت جماعت پر ہوتی ہے اور اس کا جماعت کی متعدد قسموں پر اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن میں جماعت کی درج ذیل قسموں کے بیان کیلیے اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے :

۱۔ ہر جاندار کی جنس : سورۂ انعام (۳۸) میں ہے :

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ	زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں
يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ	پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو'
مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ	یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں ہم نے
ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ؀	ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں

چھوڑی ہے، پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں۔

اس آیت میں 'مثلیت' سے کیا مراد ہے؟ اس کی تعین میں مفسرین کے مابین اختلاف ہے، راغب اصفہانی اور ابو حاتم رازی کے نزدیک 'امم' سے مراد اصناف و انواع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو ایک طریقہ پر مسخر کر دیا ہے اور اسے ان کی فطرت میں ودیعت کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض جالے بنتی ہیں جیسے مکڑی، بعض ذخیرہ اندوزی کرتی ہیں جیسے چیونٹی، بعض ایک وقت کی روزی پر اکتفا کرتی ہیں جیسے گوریا اور فاختہ وغیرہ۔ ہر صنف تلاش رزق، ہلاکت کی جگہوں سے احتراز اور وسائل کی تلاش میں بنی آدم کے مثل ہے[۲۵]۔ جبکہ بعض دوسرے لوگوں کے نزدیک امم سے مراد 'امم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی الدین، ہے۔ صاحب لسان کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے لئے تسبیح وعبادت کا ایک مخصوص طریقہ متعین کر دیا ہے جو ہمیں نہیں معلوم ہے"[۲۶]۔ ابن قتیبہ[۲۷] وغیرہ کا بھی یہی خیال ہے[۲۸]۔ ابن تیمیہ کا ایک رسالہ ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں اللہ سبحانہ کی تسبیح کرتی ہیں[۲۹]۔ اس سے بھی یہ معنی راجح معلوم ہوتا ہے۔ طبری نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ کسی کے عمل سے غافل نہیں ہے۔ جب وہ جانوروں اور پرندوں کے اعمال کا ریکارڈ رکھ رہا ہے اور ان کی حرکات وسکنات کو ام الکتاب میں محفوظ کر رہا ہے جو اس کے شایانِ شان یہ بھی ہے کہ وہ تمہارے اعمال کا بھی ریکارڈ رکھے اور انہیں کے مطابق آخرت میں بدلہ دے"[۳۰]۔

یہی معنی زیادہ قرین صواب ہے۔

۲۔ **انسانوں کی جماعت:** سورہ قصص (۲۳) میں ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ	جب وہ (موسیٰ) مدین کے کنوئیں پر پہنچا تو اس نے
أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۥ وَ	دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی
وَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ	پلا رہے ہیں اور ان سے الگ ایک طرف دو
تَذُودَانِ ۖ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ	عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰ نے
قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ	ان عورتوں سے پوچھا تمہیں کیا پریشانی ہے؟ انھوں
الرِّعَآءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ	نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک

یہ چرواہے اپنے جانور نہ نکال لے جائیں اور ہمارے والد ایک بہت بوڑھے آدمی ہیں۔

اس آیت میں لفظ امۃ کا جماعت کے معنی میں ہونا اور اس سے لوگوں کی جماعت مراد ہونا متفق علیہ اور منصوص ہے۔ ابوالبقاء نے اس سے استشہاد کرتے ہوئے لکھا ہے: "امۃ کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ لوگوں کے گروہ اس کا قصد کرتے ہیں جیسے "أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ"[۳۱]"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امۃ ان کے نزدیک اسم مفعول ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت موسیٰ جب مدین کے کنوئیں کے پاس پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں کو پایا جن کے پاس لوگ اپنے جانوروں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پانی پلانے کے لئے آ رہے تھے۔ ان کے برخلاف تمام مفسرین نے یہاں امّۃ کو اسم فاعل مانا ہے (یعنی کنوئیں پر کچھ لوگوں کو پایا جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے) آیت کے سیاق سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ورنہ اسم مفعول ماننے کی صورت میں دونوں لڑکیوں کے کھڑے ہو کر لوگوں کے واپس جانے کا انتظار کرنے کے کیا معنی ؟

۳۔ ایسی جماعت جو دین کے سلسلہ میں ایک موقف اختیار کر لے : اس معنی میں لفظ امّۃ درج ذیل آیات میں آیا ہے :

۱۔ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا (الاعراف : ۱۶۰)

اور ہم نے اس قوم کو بارہ گھرانوں میں تقسیم کر کے انھیں مستقل گروہوں کی شکل دیدی تھی

۲۔ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ (الاعراف : ۱۶۸)

ہم نے ان کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سی قوموں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ لوگ ان میں نیک تھے اور کچھ اس سے مختلف۔

۳۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ (الاعراف : ۱۵۹)

موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو حق کے مطابق ہدایت کرتا اور حق ہی کے مطابق انصاف کرتا تھا۔

۴۔ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا (الاعراف : ۱۶۴)

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت سزا دینے والا ہے۔

۵۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَ

اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور خدا ترسی کی روش اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں ان سے دور کر دیتے اور ان کو نعمت بھری جنتوں میں پہنچاتے کاش انہوں نے توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝ (المائدہ: ۶۵-۶۶)	سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں، ایسا کرتے تو ان کے لئے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ راست رو بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت سخت بدعمل ہے۔
۶- مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ آيٰتِ اللّٰهِ آنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ (آل عمران: ۱۱۳)	اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں۔ راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں

یہ تمام آیات بنی اسرائیل سے متعلق ہیں۔ البتہ سورۂ مائدہ کی آیت میں نصاریٰ بھی شامل ہیں ان میں امۃ کا اطلاق اس جماعت پر کیا گیا ہے جس نے نبی کی دعوت قبول کرلی (اسے امۃ قائمۃ یا امۃ مقتصد وغیرہ کی صفات سے موصوف کیا گیا ہے) یا ان کی تکذیب کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو جماعت دین کے سلسلہ میں کوئی موقف اختیار کرلے خواہ وہ ایجابی ہو یا سلبی۔ اس پر بھی امۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔

۴۔ ایسی جماعت جس کی طرف پیغمبر مبعوث ہوئے: اس معنی میں لفظ امۃ درج ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے:

۱- لِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ (یونس: ۴۷)	ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔
۲- وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا (النحل: ۳۶)	ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا
۳- وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر: ۲۴)	کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر امۃ میں پیغمبر بھیجے گئے۔ اس میں سے کچھ لوگوں نے انبیاء کی دعوت قبول کی اور کچھ نے انکار و تکذیب کی روش اختیار کی۔ انھیں امۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ دعوت کے سلسلہ میں انبیاء کے نزدیک 'مقصود' ہوتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں انھیں 'امۃ دعوت' کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ ایسی جماعت جو رسالت محمدی پر ایمان رکھتی ہو: اس معنی میں امۃ درج ذیل آیات میں آیا ہے:

۱۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (الاعراف: ۱۸۱)
ہماری مخلوق میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق ہدایت اور حق کے مطابق انصاف کرتا ہے۔

۲۔ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ: ۱۴۳)
اسی طرح ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔

پہلی آیت کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہ میری امت ہے جو حق ہی کی بنیاد پر لین دین اور فیصلے کرتی ہے [۴۲]

دوسری آیت کی تفسیر میں طبری نے لکھا ہے کہ اس کی مخاطب امۃ محمدؐ ہے [۴۳]

۶۔ علماء کی جماعت:

۱۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ (آل عمران: ۱۱۰)
اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۲۔ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران: ۱۰۴)
تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔

پہلی آیت کی تفسیر میں طبری نے لکھا ہے کہ مفسرین کے نزدیک مخاطب کی تعین میں اختلاف ہے بعض لوگوں کے نزدیک جن میں ابن عباس وغیرہ شامل ہیں اس سے مراد مہاجرین ہیں اور بعض دوسرے لوگوں کے نزدیک اس کا مخاطب ہر وہ شخص ہے جو آیت میں مذکورہ شرائط (ایمان باللہ، امر بالمعروف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نہی عن المنکر) کو پورا کرے۔[۳۴]

دوسری آیت کی تفسیر میں طبری نے ضحاک کا قول نقل کرتے ہوئے کہ اس سے مراد خاص رواۃ ہیں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ جماعت ہے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔[۳۵] ابن کثیر نے بھی ضحاک کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کا اطلاق مجاہدین اور علماء پر ہوتا ہے[۳۶]

ب۔ امۃ بمعنی ملت اور دین:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف	ابتدا میں لوگ ایک امت تھے (پھر یہ حالت باقی
فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ	نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے
وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ	نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ	اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور
فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط (البقرہ: ۲۱۳)	ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے

بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کرے۔

اس آیت کی تفسیر میں طبری نے مفسرین کا اختلاف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: "اس کی سب سے زیادہ قرین صواب تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتلایا ہے کہ لوگ پہلے ایک امت تھے یعنی ایک ملت اور ایک دین (دین آدم) پر تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ نے انبیاء بھیجے تاکہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں"۔[۳۷]

درج ذیل آیات میں بھی لفظ امۃ دین اور ملت کے معنی میں آیا ہے:

۱۔	وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ	بے شک تیرا رب اگر چاہتا تو تمام انسانوں کو
	اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ	ایک گروہ بنا سکتا ہے مگر اب تو وہ مختلف طریقوں
	مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ	ہی پر چلتے رہیں گے اور بے راہ رویوں سے
	(ھود: ۱۱۸)	صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے
۲۔	وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً	اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو وہ تم سب کو ایک ہی
	وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ	امت بنا دیتا مگر وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ (النحل: ۹۳)

ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے

۳- إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۝ (الانبیاء: ۹۲)

یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس تم میری عبادت کرو۔

مذکورہ بالا آیات میں 'امۃ واحدۃ' 'دین حق' کے معنی میں آیا ہے۔ اس کے برخلاف ذیل کی دو آیتوں میں امۃ سے مراد 'بت پرستی کا مذہب' اور تیسری آیت میں اس سے مراد 'کفر پر قائم جماعت' ہے۔

۱- بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ (الزخرف: ۲۲)

بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

۲- وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ (الزخرف: ۲۳)

اسی طرح تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی نذیر بھیجا اس کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں

۳- وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ۝ (الزخرف: ۳۳)

اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو ہم خدائے رحمٰن سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور انکی سیڑھیاں جن سے وہ اپنے بالاخانوں پر چڑھتے ہیں، سب چاندی کے بنا دیتے۔

سورہ مائدہ (۴۸) کی درج ذیل آیت میں 'امۃ' 'شریعت' کے معنی میں معلوم ہوتا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔ اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا لیکن اس نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

آیت کی تفسیر میں طبری نے لکھا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام شریعتوں کو ایک کر دیتا اور ہر امت کے لئے الگ شریعت اور الگ طریقہ نازل نہ کرتا اور تم لوگ ایک امت ہو جاتے جنکی شریعتوں میں کوئی اختلاف نہ ہوتا لیکن اس نے مختلف شریعتیں نازل کیں تاکہ تمہیں آزمائے اور مطیع اور نافرمان میں فرق کرلے" [۳۸]

ج۔ امۃ بمعنی منفرد اور بے نظیر شخص:

اس معنی میں لفظ امۃ قرآن میں صرف ایک جگہ آیا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم ایک امت تھا۔ اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو، وہ کبھی مشرک نہ تھا

(النحل: ۱۲۰)

حکیم ترمذی نے لکھا ہے کہ: "تنہا ابراہیم کو امۃ اس لئے کہا گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں اتنی خوبیاں جمع کردی ہیں جو پوری ایک امت میں ہو سکتی ہیں ان میں سے چند خوبیاں یہ ہیں: وفاء (النجم: ۳۷) شکر (النحل: ۱۲۱) ایمان (صافات: ۱۱۱) اسلام (آل عمران: ۶۷، صافات: ۱۰۳) حنیفیت (النحل: ۱۲۰، آل عمران: ۶۷) قنوت (النحل: ۱۲۰) ھدی (النحل: ۱۲۱) اجتباء (النحل: ۱۲۱) اواھیت (ھود: ۷۵) انابت (ھود: ۷۵) برکت (صافات: ۱۱۳) اصطفاء (البقرہ: ۱۳۰) حلم (ھود: ۷۵) ید (ص: ۴۵) بصر (ص: ۴۵) نبوت (مریم: ۴۱) رسالت (النساء: ۵۴) خلت (النساء: ۱۲۵) سلامۃ قلب (الصافات: ۸۴) صدیقیت (مریم: ۴۱) تنا ربانی (مریم: ۴۱) حجت (الانعام: ۸۳) صلاح (البقرہ: ۱۳۰) رشد (الانبیاء: ۵۱) احسان (صافات: ۱۰۵) حکمت (النساء: ۵۴) امام (البقرہ: ۱۲۴) [۳۹]

اس تشریح کی روشنی میں علامہ عبدالحمید فراہیؒ کی تفسیر بہت دقیق معلوم ہوتی ہے جو ان تمام صفات پر حاوی ہے۔ اپنی کتاب التکمیل فی اصول التاویل میں فرماتے ہیں:

"کبھی مشترک لفظ مختلف معانی کے لئے آتا ہے۔ اس وقت صرف سیاق اور صحت معنی کو دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جیسے آیت اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً میں لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'امۃ'۔ یہاں اس کے معنی وہ نہیں ہو سکتے جو دوسری آیتوں میں ہیں اس لئے کہ اس صورت میں سیاق درست ہوگا نہ معنی صحیح ہوگا۔ یہاں اس کے جو معنی ہیں قرآن میں لفظی اعتبار سے اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اس لئے کہ باقی قرآن میں اس کا استعمال یا تو زمانہ کے معنی میں ہے یا لوگوں کی جماعت کے معنی میں یا طریقہ کے معنی میں۔ لیکن اگر ہم پہلی اور دوسری اصل کو اختیار کریں تو اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں''۔

پہلی اصل سے یوں کہ اس کے بعد کے لفظ 'قانت' سے اس کی تشریح ہو رہی ہے یعنی امۃ طائع (اطاعت گزار) کے معنی میں ہے۔ یہی معنی بعد میں آنے والی صفت 'قانت' کے زیادہ مطابق ہے۔

دوسری اصل سے یوں کہ قرآن میں حضرت ابراہیم کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں اس کے نظائر میں اطاعت کاملہ کی صفت بھی ہے۔

لیکن ابھی یہ ثابت کرنا باقی ہے کہ امۃ طائع کے معنی میں ہے'' [۱۱]

العمدۃ لابن رشیق پر اپنی تعلیقات میں (جسے میرے پاس فضیلۃ الاستاد محمد اجمل ایوب ندوی نے ارسال کیا ہے) علامہ فراہی نے ثابت کیا ہے کہ امۃ اطاعت گزار شخص کے معنی میں آیا ہے، کہتے ہیں:

''طبری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ امۃ درج ذیل معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے لوگوں کی جماعت، زمانہ، عابد اور اطاعت گزار شخص اور دین اور ملت۔

امۃ اطاعت گزار شخص کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ نابغہ کا شعر ہے:

حلفت فلم اترك لنفسك ريبة وهل يأثمن ذوامة وهو طائع

اس شعر میں 'امۃ' اطاعت کے معنی میں ہے۔

عدی بن زید کا شعر ہے:

ثم بعد الفلاح والملك والأمة وارتهم هناك تبور

اس شعر میں 'امۃ' مطیعین کے معنی میں ہے۔

اعشی کا شعر ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولا الملك النعمان يوم لقيته — بامته يعطي القطوط ويأفق

یہاں 'امۃ' کے معنی 'اتباع' (متبعین) کے ہیں"

معلم فراہی کو اس معنی کی تعیین میں جاہلی اشعار سے مدد لینے کی ضرورت اس لیے پڑی کیونکہ بیشتر مصادر میں (جن میں امۃ کے معانی بیان کیے گئے ہیں) یہ معنی غیر معروف ہے۔

د- امۃ بمعنی زمانہ :

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ	اور اگر ہم ایک خاص مدت تک ان کی سزا کو ٹال دیتے
أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ	ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ آخر کس چیز نے
(ھود : ۸)	اسے روک رکھا ہے۔

اس آیت میں امۃ کے معنی جیسا کہ طبری نے لکھا ہے متعین زمانہ اور متعین سال کے ہیں[۴۱]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم عذاب ایک امت کے گذر جانے اور دوسری امت کے آنے تک موخر کر دیں تو مشرکین کہتے ہیں کہ آخر اسے کیا چیز روکے ہوئے ہے۔

اسی معنی میں امۃ سورہ یوسف (۴۵) میں بھی استعمال ہوا ہے :

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ	ان دو قیدیوں میں سے جو شخص بچ گیا تھا اور اسے
بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ	ایک مدت دراز کے بعد بات یاد آئی اس نے
فَأَرْسِلُونِ	کہا: میں آپ حضرات کو اسکی تاویل بتاتا ہوں۔

۳- امۃ کا اسلامی مفہوم :

عربی زبان اور قرآن کریم میں لفظ 'امۃ' کے مختلف معانی جاننے کے بعد اب ہم یہ بیان کریں گے کہ امۃ کا لفظ جب مطلق یا صفتِ مدح کے ساتھ آتا ہے تو اس کا اسلامی مفہوم کیا ہوتا ہے؟

ابوالبقاء نے لکھا ہے کہ "متکلمین کی تعریفوں میں امۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں نہ کہ وہ جنکی طرف رسول مبعوث ہوئے ہیں"[۴۲] متکلمین سے ان کی مراد اہل کلام ہیں۔

امام ابوزکریا النووی اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں لکھتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لفظ امۃ کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک معنی یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں۔ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کا اتباع کریں۔ قرآن کی آیات وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ: ۱۴۳) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (آل عمران: ۱۱۰) اور احادیث 'شفاعتی لامتی' اور 'تاتی امتی غرا محجلین' میں امۃ سے مراد یہی لوگ ہیں۔"[۴۳]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امۃ کے اسلامی مفہوم سے وہ لوگ خارج ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کریں اور آپ کی دعوت پر ایمان نہ لائیں۔ اگرچہ لغوی طور پر وہ بھی امۃ میں داخل ہیں اس لئے کہ وہ امۃ دعوت میں سے ہیں۔ چنانچہ نووی نے اسلامی مفہوم بیان کرنے کے بعد امۃ کے دوسرے معانی میں سے یہ معنی بھی بیان کیا ہے:

"امۃ کا ایک معنی یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ مسلم کتاب الایمان میں مذکور درج ذیل حدیث میں امۃ سے مراد یہی مفہوم ہے:

"والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار"[۴۴] (اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے۔ اس امت میں سے کوئی یہودی یا نصرانی میری دعوت سننے کے بعد مر جائے لیکن اس پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنمی ہوگا)

سید قطب شہید نے اپنی تفسیر 'فی ظلال القرآن'[۴۵] میں لکھا ہے:

"امۃ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک عقیدہ اور ایک تصور رکھتی ہو اور جو ایک قیادت کے تابع ہو۔ قدیم اور جدید جاہلیت میں امۃ سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایک ملک میں یا ایک حکومت کے ماتحت رہتے ہو۔ لیکن اس مفہوم سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ جدید جاہلیت کی اصطلاح ہے۔"[۴۶]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد اور اسلامی ریاست (جس میں یہود کے بھی متعدد قبائل بستے تھے) قائم کرنے کا جو عظیم دستور تحریر فرمایا جس میں مسلمانوں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر مسلموں کے باہمی تعلقات کی وضاحت کی تھی۔ اس میں امۃ کا لفظ اسلامی مفہوم میں استعمال کیا تھا اور مسلمانوں کو دوسری امتوں سے الگ قرار دیا تھا۔ اس دستور کی وہ دفعات جو ہماری اس بحث سے متعلق ہیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں :

ابن کثیر نے اپنی کتاب 'السیرۃ النبویہ' میں لکھا ہے[۴۷] :

"ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان ایک تحریر (کتاب) لکھی جس میں آپؐ نے یہودیوں سے ایک معاہدۂ صلح کیا۔ ان کو ان کے مذہب اور مقبوضات کے حقوق دیئے اور ان کو ان میں بدستور قابض رہنے دیا اور ان کے کچھ حقوق و فرائض مقرر کئے۔ وہ تحریر یہ تھی[۴۸]:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ محمد نبی امی کی کتاب (معاہدہ) ہے جو قریش اور یثرب کے مومنوں اور مسلمانوں اور ان دونوں کے ان لواحقین (ومن تبعھم) کے درمیان کیا گیا ہے جو ان کے ساتھ آملیں، اتحاد کریں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔

وہ امۃ واحدہ ہیں جو دوسرے لوگوں سے الگ اور ممتاز ہے (من دون الناس) قریشی مہاجرین اپنے پرانے دستور کے مطابق اپنے قیدیوں کا زرفدیہ اجتماعی طور سے ادا کریں گے اور مسلمانوں کے معاملہ میں انصاف اور راستی کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے .... (آگے ایک اور دفعہ ہے)

بنی عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایک امت ہیں[۴۹] (امۃ مع المومنین) یہودیوں کے لئے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لئے ان کا دین یہی (ضمانت) ان کے موالی اور ان کے اپنے لئے ہے۔ مگر اس شخص کے سوا جو کوئی غلط کام کرے یا غداری کرے، وہ صرف اپنے لئے مصیبت پیدا کرتا ہے اور اپنے خاندان کے لئے ...."

یہ دستور تمام مسلمانوں کو ایک امت قرار دیتا ہے خواہ وہ عہد نبوی کے مہاجرین اور انصار ہوں یا بعد میں اسلام قبول کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے۔ اسی طرح یہود کو بھی ایک مستقل امت قرار دیتا ہے اور انھیں امۃ مومنین کے ساتھ ایک ریاست میں رہنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ دستور امت مسلمہ کو دوسری امتوں سے الگ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتلاتا ہے کہ ایک ریاست میں جس پر اسلامی شریعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حکمرانی ہو، مختلف ادیان کی امتیں کیسے رہ سکتی ہیں اور سب کے ساتھ کیسے عدل و انصاف کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔

اس طور پر مستشرقین کا یہ کہنا کہ "اس دستور سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ جن میں یہود بھی شامل ہیں ایک امت ہیں۔ لیکن بعد میں جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینہ میں استحکام مل گیا اور کفار مکہ کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں فتح حاصل ہوگئی تو انھوں نے اپنی دینی و سیاسی جماعت سے اہل مدینہ اور خاص کر یہود کو نکال باہر کیا اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی امت میں صرف مسلمان رہ گئے"[۳۹] — بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ دستور میں واضح طور پر امۃ مومنین کو امۃ یہود سے الگ قرار دیا گیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین کے نزدیک "امۃ مع المومنین" اور "امۃ من المومنین" کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، بعد میں یہود کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ اسی دستور کے مطابق تھا۔ یہود نے نقض عہد کیا۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین سے جا ملے اور دستور کی دفعات کا لحاظ نہ کیا۔ چنانچہ دستور کے مطابق انھیں سزا دی گئی اور مدینہ سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔[۴۰]

امت کے سلسلہ میں چند نمایاں حقوق:

امّت کے اسلامی مفہوم سے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اسلامی مفہوم میں امت ایک دینی اور عقائدی انتساب کا نام ہے نہ کہ نسلی یا علاقائی انتساب کا۔ تاریخ میں امت مسلمہ ان لوگوں کے مجموعے سے وجود میں آئی تھی جنھوں نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا تھا خواہ وہ کسی نسل سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ چنانچہ اس میں بہت سے غیر عرب صحابہ مثلاً سلمانؓ، بلالؓ، صہیبؓ شامل تھے جس طرح کہ عرب صحابہ میں سے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ وغیرہ تھے۔ جبکہ ابوجہل، ابولہب اور دوسرے کفار عرب ہونے کے باوجود اس امت میں شامل نہ تھے اس لئے کہ انھوں نے اللہ کے دین کو قبول نہیں کیا تھا۔

۲۔ اس دینی اور عقائدی انتساب سے جس پر امت کی بنیاد ہے، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسلام نسلی انتساب کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ قرآن کریم میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ [illegible] — لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور [illegible] بنادیں تاکہ تم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات : ۱۳) ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اس آیت میں ایک معروضی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ تمام انسان ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اقوام اور قبائل اس لئے بنائے ہیں تاکہ لوگوں میں باہمی تعارف ہو سکے۔ اس لئے ایک دوسرے پر برتری اور تفاضل کی بنیاد قوم و قبیلہ کی یہ تقسیمیں نہیں بلکہ انسان سے صادر ہونے والے اعمال اور اخلاق ہیں

یہ عقائدی انتساب نسلی تعصب اور غرور کے رجحانات اور نسب پر فخر سے منع کرتا ہے جس میں بعض اقوام اور قبیلے مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس کی بنا پر ان کے درمیان عداوتیں اور رقابتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں لیکن وہ مختلف اقوام میں پائے جانے والے خصائص و فضائل کا انکار نہیں کرتا بلکہ صرف ان کو نمایاں کرنے، ان پر زور دینے اور انھیں تفاضل کی بنیاد قرار دینے سے منع کرتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں عقیدہ کی بنیاد پر برپا ہونے والی امت میں شامل قوموں میں عصبیت پروان چڑھنے لگے گی جس سے امت کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ ہر قوم اور ہر گروہ میں کچھ خصائص، امتیازات اور فضائل ہوتے ہیں۔ لیکن امت کے لئے بہتر ہے کہ وہ ایسی بنیاد پر قائم ہو جو ان تمام خصائص و امتیازات پر محیط ہو۔ نہ کہ ایسی بنیاد پر جس سے اس کی طاقت پارہ پارہ ہو جائے۔ وہ اپنے مقصد وجود سے ہٹ جائے اور اس کی ترقی اور وسعت میں رکاوٹ آجائے۔

۳۔ تمام انبیاء کے نزدیک بھی امت کا یہی اسلامی مفہوم تھا اور اسی کی بنیاد پر گزشتہ اقوام برپا ہوئی تھیں۔ لیکن چونکہ اسلام سے پیشتر تمام نبوتیں مخصوص قوموں کے لئے تھیں اور لغوی طور پر قوم کو بھی امت کہتے ہیں اس لئے تاریخی اعتبار سے امت کا دینی اور قومی مفہوم دونوں گڈمڈ ہو گئے اور دونوں نظری پہلو کی طرح عملی پہلو سے اس کی وضاحت نہ ہو سکی۔ اس کے برخلاف اسلامی دعوت تمام انسانوں کیلئے عام تھی۔ اس لئے بہت سی غیر عرب قوموں نے بھی اسلام قبول کیا۔ اس طرح نظری اور عملی دونوں پہلوؤں سے امت کا اسلامی مفہوم واضح رہا اور تاریخ میں ایسی امت ظاہر ہوئی جس میں متعدد قومیں شامل تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن مسیحیت کے ساتھ اس سے مختلف معاملہ ہوا۔ اس کی دعوت حقیقت میں صرف بنی اسرائیل کیلئے تھی۔ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصف میں ہے:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ (آل عمران: ۴۹) — وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (الصف: ۶) — اور یاد کرو عیسیٰ بن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

متداول انجیلوں میں بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا: "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" اس لئے مسیحیت نے امت کا وہ تصور پیش نہیں کیا جس میں متعدد اقوام شامل ہوں۔ اس کے برخلاف عملی پہلو سے وہ مخصوص حالات کے نتیجے میں بلا ارادہ اپنے قومی دائرہ سے باہر نکلی اور متعدد قوموں نے اسے قبول کیا لیکن وہ انھیں ایک امت کے تحت جمع کرنے پر قادر نہ ہوسکی۔ اس لئے کہ ایسا کرنا اس کے مقاصد میں شامل نہ تھا۔ وہ درحقیقت ایک روحانی دعوت تھی جو حضرت موسیٰؑ کی دعوت کی تکمیل کے لئے نازل کی گئی تھی۔ اس لئے وہ دین، ریاست اور نظام زندگی کے بجائے ایک ایسے مذہب کی حیثیت سے ظاہر ہوئی جو روحانی اور اخلاقی مسائل سے بحث کرتا ہو۔ چنانچہ نصاریٰ کی تمدنی زندگی پر رومانی قانون نافذ رہا اور مذہبی زندگی کی رہنمائی کرنے والے عناصر میں سے ایک عنصر کی حیثیت سے باقی رہا۔ چنانچہ مسیحیت انھیں ایک امت بنانے پر قادر نہ ہوسکی جس کی وجہ سے انھوں نے دوسرے عناصر کی تلاش شروع کردی۔ بالآخر انھوں نے کچھ ایسی چیزیں دریافت کرلیں جنھیں تشکیل امت کے بنیادی عناصر قرار دینے لگے اور ان کی تعیین اور بیانِ اہمیت میں باہم اختلاف کرنے لگے۔ اس طرح تاریخ میں مختلف قوموں پر مشتمل ایک امت ظاہر ہونے کے بجائے ایسی امتیں ظاہر ہوئیں جن کے افراد زندگی کے ایک محدود گوشے میں نصرانیت کے حامل تھے۔

اس کے برخلاف اسلام میں 'امت' ابتدا ہی سے قومی مفہوم سے الگ اور ممتاز رہی۔ اسلامی فتوحات کے بعد بہت سی غیر عرب قوموں نے اسلام قبول کیا اور اسلامی سانچے میں ڈھل کر ایک امت بن گئیں۔ اس لئے انھیں 'امت' کے عناصر اور اجزائے ترکیبی تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی کیونکہ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقیدہ اور اقدار نے انھیں اس سے بے نیاز کر دیا تھا۔

تشکیل امت کے مفروضہ عناصر، اسلام کی نظر میں :

مغرب میں امت کی تشکیل کے جو عناصر لازمی قرار دیئے گئے ہیں۔ ان کے سلسلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر جاننا ضروری ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہم انھیں واقعی تشکیل امت کے عناصر سمجھتے ہیں بلکہ اس لئے تاکہ اس نقطۂ نظر کی وضاحت ہو جائے جو اسلام ان عناصر کے سلسلہ میں پیش کرتا ہے :

۱۔ نسل : پہلے گزر چکا ہے کہ اسلام ایک عقائدی انتساب کا نام ہے۔ وہ اگرچہ لوگوں کے قوم قبیلہ میں تقسیم ہونے کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کی حکمت صرف تعارف باہمی قرار دیتا ہے اور اس کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان ایک دوسرے پر برتری اور مفاخرت سے منع کرتا ہے۔ وہ ایک ایسے فکری اور عقائدی انتساب پر زور دیتا ہے جو لوگوں کے یکجا ہونے اور باہم تعاون کرنے کی بنیاد بن سکے اور جس سے قومی اور قبائلی تعصب کی شدت کم ہو سکے۔ اسی لئے وہ دینی اقدار کو تفاضل کی بنیا قرار دیتا ہے

اس سلسلہ میں عہد حاضر کے تعلیم یافتہ حلقوں میں ایک بحث یہ چھڑی ہوئی ہے کہ عرب کا بحیثیت قوم اسلام سے کیا تعلق ہے؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اسلام کا تمام اقوام اور قبائل سے برابر کا تعلق ہے اور سب پر ایک ہی نظریہ کی حکمرانی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام اور عرب کے درمیان ایک خاص تعلق ہے جو کسی دوسری قوم سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو عرب میں سے منتخب کیا۔ عربی زبان کو اپنی زندہ جاوید کتاب کے لئے خاص کیا۔ بیت اللہ کو ــــ جو عرب کے قلب مکہ مکرمہ میں ہے، تمام مسلمانوں کا قبلہ و کعبہ بنایا اور جزیرۃ العرب کو اپنے دین کے لئے مرکز قرار دیا کہ اب دو دیان اس میں نہیں رہ سکتے۔ مکی عہد میں حضور کی دعوت پر کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر قریش کی شدید مخالفت کے بعد آپ نے مدینہ ہجرت کی تو وہاں انصار نے استقبال کیا اور اسلام کی اشاعت کی۔ بالآخر سارا عرب آپ کے زیر نگیں ہو گیا۔ پھر ان عرب مسلمانوں نے اسلام کا جھنڈا دنیا کے ہر علاقے میں لہرایا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اہل عرب ہی کو ان خصوصیات سے کیوں نوازا؟ اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (الانعام: ۱۲۴) (اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے لے) عرب کو اس وقت کچھ فضائل اور امتیازات حاصل تھے جس طرح کہ ان میں کچھ قبائح اور رذائل بھی تھے۔ اس وقت عرب کی پوزیشن دوسروں کی بہ نسبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی دعوت کے لئے زیادہ مناسب تھی اس لئے انھیں بشیرو دستہ کی حیثیت سے منتخب کیا تاکہ وہ اسلام کے پیغام کو دوسری قوموں تک پہنچائیں انھوں نے دوسری قوموں کو اپنی فوقیت یا برتری اور احسان کا احساس دلائے بغیر اپنی اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھایا۔ غیر عرب مسلمانوں نے ان کی قربانیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان سے محبت اور تعظیم کا معاملہ کیا۔ عربوں کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ کتاب الٰہی (جو انکی زبان میں نازل ہوئی ہے) کو سمجھنے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ قریب ہیں۔ اسی لئے بعض احادیث میں عربی کو اصل زبان قرار دیا گیا ہے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر غیر عرب لوگوں نے بھی عربی زبان سے محبت کی۔ اس میں مہارت حاصل کی اور مختلف علوم میں تصنیف و تالیف کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے یہاں تک کہ بہت سے غیر عرب حضرات نے اپنی مادری زبان چھوڑ کر عربی زبان میں کمال پیدا کیا اور حقیقت یہ ہے کہ جب بھی غیر عرب مسلمان عربی زبان سے قریب ہوئے۔ کتاب اللہ کے سمجھنے میں ان کے اور اہل عرب کے درمیان فرق کم ہوگیا اور وہ بھی اس خصوصیت میں ان کے شریک و سہیم ہو گئے۔

ماضی قریب میں عالم اسلامی میں مسلمانوں کا اسلامی عقیدہ سے رابطہ کمزور کرنے اور انھیں قوت کے اصل سرچشمہ سے دُور کرنے کے لئے اسلام کے بدل کے طور پر نئے افکار پیش کئے گئے۔ مختلف کمیونسٹ اور قومی پارٹیاں قائم کی گئیں۔ علاقائی نعرے (جیسے شام شامیوں کیلئے، مصر مصریوں کیلئے) بلند کئے گئے اور قدیم جاہلیتوں پر فخر کو نمایاں کیا گیا۔ اسی طرح بعض پارٹیاں عرب قومیت کی بنیاد پر قائم ہوئیں اور انھوں نے اپنی سرگرمیاں عرب تک محدود کرلیں۔ اسلام کے بدلے قومی عقیدہ پیش کیا۔ اسلامی تاریخ کی تشریح قومی بنیاد پر کی اور کہا کہ اسلام عربی تاریخ کا ایک مرحلہ تھا جس میں اس نے اپنا رول ادا کر دیا لیکن عصر حاضر میں وہ کوئی رول نہیں ادا کرسکتا۔ اس لئے اب اس کی جگہ نئے قومی عقیدہ کو لے لینی چاہیے۔ لیکن ایسا کہنے والوں کو بہت جلد احساس ہوگیا کہ صرف قومیت اسلام کا بدل ہونے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے کہ وہ محض ایک انتساب ہے جبکہ انھیں اس کے ساتھ ایک نظریہ کی ضرورت بھی ہے۔ اسی لئے وہ قومیت کے ساتھ اشتراکیت کا بھی نام لینے لگے۔ لیکن اشتراکیت مغربی نظریہ تھا اور قومیت عربی انتساب اس لئے دونوں کے درمیان موافقت ناممکن تھی چنانچہ انھوں نے دونوں کو ملا کر ایک نئی چیز بنا دی اور وہ تھی عربی اشتراکیت۔

نسل کے سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر ـــ کہ نسل تشکیل امت کا بنیادی عنصر نہیں ہوسکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج معاصر دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ آج دنیا ایجادات و اکتشافات کے نتیجے میں سمٹ کر ایک شہر کی طرح ہو گئی ہے دنیا کے ممالک کا ایک دوسرے سے قریبی تعلق ہو گیا ہے اور معیشت اور اس کے وسائل کے سلسلہ میں قوموں کے درمیان پائے جانے والے امتیازات ایک حد تک دُور ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے قومی اور علاقائی بنیادوں پر اجتماع گزشتہ صدیوں کی ایک فرسودہ یادگار بن کر رہ گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بلاشبہ اسلام کو تہذیبی سبقت حاصل ہے کہ اس نے آج سے چودہ صدی قبل امت کو عقیدہ کی بنیاد پر قائم کیا تھا جبکہ اس وقت اس کا تصور محال تھا۔

نسلی بنیاد پر امت کے قیام کی جو فکر ہٹلر نے پیش کی تھی اسے قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ وہ ایک خیالی فکر تھی جس کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ کیونکہ باہم ازدواج کے نتیجے میں انسانوں کی نسلیں اب پہلے کی طرح محفوظ نہیں رہی ہیں۔ اس حقیقت کی بنا پر یہ فکر پیش کرنے والوں نے اس سے رجوع کر کے موجودہ حقیقی تقارب کو خیالی نسلی تقارب کا بدل سمجھ لینے پر اکتفا کر لیا۔ ان کی نظر میں یہ ایک امت کی تشکیل کے لئے کافی تھا۔ اس طرح نسل خود اس کے قائلین کی نظر میں امت کے اجزائے ترکیبی میں شامل نہ ہو سکی اور یہ فکر خود اس کے قائلین کے ہاتھوں اور خود اس ملک میں جس میں پیدا ہوئی تھی فنا ہو گئی لیکن افسوس کہ یہ عالم اسلامی میں منتقل ہو گئی اور وہاں کے باشندوں نے اندھی تقلید میں اسے قبول کر لیا۔

ب۔ وطن: کسی بھی سرزمین پر رہنے بسنے والوں پر وہاں کے فطری اور جغرافیائی ماحول کے اثرات پڑنا ناگزیر ہے یہی وجہ ہے کہ کسی مخصوص وطن کے باشندوں میں اس سرزمین کی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسلام اس چیز کا انکار نہیں کرتا کہ مسلمان اپنے وطن سے محبت رکھے اس لئے کہ یہ ایک فطری امر ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اسی طرح انسان کا اپنے ماحول سے متاثر ہونا اور وطن کے خصائص پانا بھی فطری ہے۔ لیکن اسلام مسلمانوں کو وطن کے حدود میں مقید رہنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ان سے نکل کر پوری دنیا میں کلمۂ توحید بلند کرنے اور پرچم اسلام لہرانے کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے کہ پوری دنیا اللہ کی پیدا کردہ ہے:

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (الاعراف: ۱۲۸)

زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امت کی فکر جو عقائدی اور دینی بنیاد پر قائم ہے اور جس میں مختلف اقوام اور قبائل شامل ہیں وطن کی محدود فکر قبول کرنے سے ابا کرتی ہے۔ عصر حاضر میں جبکہ جدید مواصلات کے نتیجے میں پوری دنیا ایک شہر کے مثل ہو گئی ہے اور انسان نے ایجادات کے ذریعے فطری حالات پر غلبہ پا لیا ہے اور اس کے نتیجے میں جغرافیائی حدود کی اب وہ اہمیت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ انسانی زندگی وحدت کے راستے پر گامزن ہے اور وطنیت کا نظریہ اس کے قائلین کے نزدیک بھی مہمل اور عبث ہو کر رہ گیا ہے۔

ج۔ تاریخ : تاریخ کو بھی امت کی تشکیل کے بنیادی اجزاء میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد ہر امت کی تاریخ ہوتی ہے جس میں کارنامے اور ناکامیاں دونوں شامل ہیں۔ امت کی نسلوں کی تشکیل میں تاریخ کا بڑا نمایاں اثر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ماضی کے کارناموں سے انھیں حوصلہ ملتا ہے اور ماضی کی غلطیوں سے بچنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔

چونکہ تمام قوموں کے نزدیک امت کا مفہوم عملی اعتبار سے قومی مفہوم سے مربوط تھا اس لئے امت کی تاریخ بھی قومی مفہوم سے جڑی ہوئی تھی۔ اس طرح ان کے نزدیک امت کی تاریخ قوم کی تاریخ ہو گئی اور قومیں قدیم تاریخ کو نمایاں کرنے کی کوشش کرنے لگیں خواہ اس میں قابل فخر محاسن ہوں یا لائق شرم برائیاں بلکہ بسا اوقات جاہلی حمیت اور اندھے تعصب کی بنا پر ان برائیوں کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ خلافت کے خاتمے کے بعد قدیم تاریخ کو نمایاں کرنے کی ایک لہر چل پڑی اور امت کو متعدد امتوں میں تقسیم کرنے کی سازش کی گئی لیکن چونکہ امت مسلمہ کی تاریخ ایک ہی تھی اس لئے ان قوموں کی قبل اسلام کی تاریخ کو نمایاں کیا جانے لگا اور جاہلیتوں کی تاریخ پر پردہ ڈالنے کے لئے انھیں "تہذیبوں" کا نام دیا گیا ــــ یہ صرف امت کے دینی مفہوم کے لئے خطرہ نہ تھا بلکہ قومی مفہوم کے لئے بھی خطرہ کی بات تھی اس لئے کہ عرب ممالک کی قدیم تاریخ ایک نہ تھی بلکہ ہر علاقہ کی تاریخ دوسرے علاقہ کی تاریخ سے جداگانہ تھی اور ان کی جاہلیتیں مختلف تھیں۔ اس طرح قدیم جاہلی تاریخ تشکیلِ امت میں وحدت کا ذریعہ ہونے کے بجائے تفریق کا عامل بن گئی

اسلام تاریخ کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ امت اور وطن کی بین الاقوامی حیثیت سے ہم آہنگ ہو سکے۔ اس کے نزدیک امت اسلامیہ کی تاریخ بعثت نبویؐ سے نہیں بلکہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن انبیاء کو طویل انسانی تاریخ میں ایک سلسلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مربوط قرار دیتا ہے۔ انھیں ایک عقیدہ کا حامل قرار دیتا ہے اور سب کو ایک امت قرار دیتا ہے۔ چنانچہ انبیاء سابقین کا ذکر کرنے کے بعد اس حقیقت کا اظہار یوں کرتا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (المومنون: ۵۲)

اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھی سے تم ڈرو۔

معلم عبدالحمید فراہیؒ کا خیال ہے کہ:

"قرآن کریم میں تاریخی واقعات مورخین کے طریقہ سے مختلف طریقہ پر بیان ہوئے ہیں۔ مورخین تاریخ کو یا تو روایت کے طریقے پر بیان کرتے ہیں یا درایت کے طریقے پر۔ روایت کا مطلب یہ ہے کہ تاریخی واقعات کو زمانی ترتیب کے اعتبار سے جمع کر دیا جائے اور واقعات اور ان کے اسباب و نتائج کے درمیان ربط کا کوئی لحاظ نہ رکھا جائے اور درایت سے مراد یہ ہے کہ واقعات کو زمانی ترتیب کے ساتھ عقلی ترتیب سے بھی بیان کیا جائے اور ہر واقعہ کا سبب تلاش کیا جائے تاکہ ہر بعد میں ہونے والا واقعہ پہلے پیش آنے والے واقعہ کا نتیجہ معلوم دے دونوں صورتوں میں تاریخ صرف ماضی کا علم بن کر رہ جاتا ہے اور اس کا حال سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

لیکن قرآن کریم اور کتب مقدسہ کا طریقہ اس سے مختلف ہے۔ ان میں تاریخی واقعات اخلاقی ترتیب کے اعتبار سے بیان کئے گئے ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف کے تحت ہے اور ہر امت اپنے اخلاق کے اعتبار سے ترقی پاتی ہے تا تنزل کا شکار ہوتی ہے"۔[۴۳]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم تاریخ سے ایک مخصوص فائدہ حاصل کرتا ہے اور اسے ثابت سنتوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وہ زمان و مکان اور دیگر تفصیلات کو صرف اسی حد تک اہمیت دیتا ہے جس سے مقصد واضح ہو جائے اور ان سے اس کا مقصود صرف خبر دینا نہیں بلکہ عبرت دلانا اور انسانی زندگی اور معاشروں پر نافذ الٰہی سنتوں سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔

د۔ **زبان**: بعض مفکرین زبان کو بھی تشکیل امت کا ایک بنیادی عنصر قرار دیتے ہیں جبکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض قومیں ایک سے زیادہ زبانیں بولتی ہیں۔ اس لئے زبان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشکیل امت کا بنیادی عنصر قرار دینا کوئی باوزن بات نہیں۔

اسلام دوسرے عناصر کی طرح اسے بھی امت کے اجزائے ترکیبی میں سے نہیں سمجھتا اس لئے کہ اس کے نزدیک تشکیل امت کے لئے دین ہی اوّل و آخر بنیاد ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام زبان کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اسلام نے عربی کو دین کی واحد زبان قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عربی زبان میں نازل فرمائی اور اپنے آخری رسول کو عرب میں مبعوث کیا۔ اس لئے دین کے مصادر (قرآن وسنت) عربی زبان میں ہیں اور دین کا علم حاصل کرنے کے لئے عربی زبان سیکھنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ہمیشہ عربی زبان سے محبت کی حتیٰ کہ غیر عرب مسلمانوں نے بھی عربی زبان سیکھی اور اپنی تالیفات کے ذریعے عربی ذخیرۂ کتب میں قابل قدر اضافہ کیا۔ عربی زبان اور اسلام کے اس گہرے تعلق کے بڑے گہرے اثرات عربی زبان پر مرتب ہوئے۔ کتاب اللہ کے عربی میں ہونے کی وجہ سے عربی زبان میں نئی اصطلاحات اور نئے معانی داخل ہوئے اور اسے بڑی وسعت ملی۔ پہلے جاہلیت کا لغوی سرمایہ صرف شعراء کے چھوڑے ہوئے قصائد اور معلقات تھے لیکن اسلام آنے کے بعد عربی زبان میں اسلامیات، علوم قرآن، عربی علوم اور دوسرے علوم وفنون میں بے شمار کتابیں وجود میں آئیں۔ پہلے عربی زبان جزیرۃ العرب تک ہی محدود تھی لیکن اسلام کے بعد وہ ایک عالمی زبان بن گئی اور دنیا کے کونے کونے میں جہاں بھی اسلام پہنچا وہاں وہ بھی عام ہوگئی۔ یہی نہیں بلکہ اسلام کی بدولت عربی زبان ایک زندۂ جاوید زبان بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور قرآن عربی زبان میں ہے اس لئے عربی جانے بغیر قرآن سمجھنا ممکن نہیں۔ اسی طرح عربی زبان کا بھی ہمیشہ باقی رہنا ناگزیر ہوگیا اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ امام عبدالحمید فراہیؒ جیسے ہندوستانی عالم دین اپنی تالیفات کو عربی میں پیش کرنے پر اصرار کرتے ہیں حالانکہ ان کی ہندوستانی قوم کو علاقائی زبان میں کتابوں کی ضرورت ہے۔ جب ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا: میں اپنی کتابوں کو زندۂ جاوید رکھنا چاہتا ہوں۔

عربی زبان اور اسلام میں پائے جانے والے اس گہرے تعلق کو ختم کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے دشمنانِ اسلام اس تعلق کو کمزور کرنے کے لئے فصیح عربی زبان کی جگہ علاقائی لہجات کی دعوت دینے لگے اور بعض نے عربی حروف بدل کر لاطینی حروف اختیار کرنے کی دعوت دی۔ تاکہ اس طرح مسلمانو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو دین اور قرآن سے دُور کر دیں۔

عربی زبان کو عرب اور غیر عرب مسلمانوں کے دلوں میں جو مقام حاصل ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو قومیت کی طرف دعوت دینے والوں کے نزدیک کسی زبان کا ہوتا ہے۔ وہ بظاہر اسے تشکیل امت کا ایک عنصر قرار دیتے ہیں لیکن اس کے سیکھنے اور سمجھنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ جبکہ عربی زبان سے ایک مسلمان کا تعلق دینی اور عقائدی ہوتا ہے۔ اسی لئے ہمارے علماء کہتے ہیں کہ عربی زبان کا سیکھنا دین میں سے ہے اس لئے کہ دین کا فہم اس پر موقوف ہے۔

معلوم ہوا کہ عصر حاضر میں امت کے اجزائے ترکیبی یا تکوینی عناصر کے نام پر جو چیزیں پیش کی جا رہی ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ اس سلسلہ میں "قومی مفکرین" کی جانب سے جو تحریریں منظر عام پر آتی ہیں وہ محض ادب و انشاء کا نمونہ اور مغالطہ اور مغرب کی ذہنی غلامی پر مبنی ہوتی ہیں اور ان سے امت کا اسلام کی حقیقی بنیادوں سے تعلق منقطع کرنا اور اس کے رخ کو اسلام کی جانب سے موڑ دینا مقصود ہوتا ہے۔

امت مسلمہ: اللہ سبحانہ نے اس امت کی صفت اسلام (خود سپردگی و سرافگندگی) قرار دی ہے۔ اس نے اس کا کوئی نسلی یا قومی نام نہیں رکھا بلکہ اس کے لئے ایسا نام منتخب کیا ہے جو اس کی بنیاد کی حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ امت کی یہ صفت اس حد تک غالب ہوئی کہ اس کا عَلَم بن گئی:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ	اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا
هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ	حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کیلئے چن لیا ہے
فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ	اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ
اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ	اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (الحج: ۷۸)	نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)۔

ایسی امت کے وجود میں آنے کی خواہش حضرت ابراہیمؑ کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت انھوں نے اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے کہا تھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ: ۱۲۸)

اے رب ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو۔

انھوں نے (اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی) اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرہ: ۱۳۲)

اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب اپنی اولاد کو کر گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ "میرے بچو، اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے لہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔

امت مسلمہ کے افراد کے روابط باہمی صرف عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ اس کے نزدیک دوسرے اعتبارات کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی لئے جب حضرت ابراہیم نے منصب 'امامت' اپنی نسل میں باقی رہنے کے متعلق اللہ تعالی سے سوال کیا تو اللہ تعالی نے فرمایا:

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ: ۱۲۴) میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام نسبی رشتہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ (الانفال: ۷۵)

اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (الاسراء: ۲۶)

رشتے دار کو اس کا حق دو۔

لیکن جب عقائدی رشتہ اور نسبی تعلق میں تعارض ہو تو وہاں نسبی تعلق کا کوئی اعتبار نہیں۔ حضرت نوح کا بیٹا کافروں میں سے تھا چنانچہ اللہ کے عذاب کا شکار ہوا اور جب حضرت نوح اسے ڈوبتے دیکھ کر پکار اٹھے کہ اے اللہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا تھا تو اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ھود: ۴۶)

اے نوح، وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تو نسبی رشتہ تعمیل حکم میں آڑے نہیں آیا بلکہ وہ اپنے ہاتھوں بیٹے کو قربان کرنے پر تیار ہو گئے۔

تعلیقات وحواشی

(۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد چہارم صفحہ ۴۱۱ - ۴۱۴ مقالہ 'امۃ'

(۲) ابوالبقاء، کلیات: ۱/۳۰۱، لسان العرب دار صادر بیروت ۱۹۵۶ء مادہ: ام ۲۲/۱۲

(۳) لسان العرب ۲۲/۱۲

(۴) لسان العرب ۲۷/۱۲ - ۲۸، الفیروز آبادی، بصائر التمیز فی لطائف الکتاب العزیز ۲/ ۲۹

(۵) نعمت کے معنی میں لفظ 'اِمّۃ' الف کے زیر کے ساتھ ہے نہ کہ پیش کے ساتھ۔ دیکھئے لسان العرب ۲۷/۱۲ (مترجم)

(۶) لسان العرب ۲۷/۱۲

(۷) راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن دار المعرفہ بیروت ص۲۳، ابن قتیبہ تاویل مشکل القرآن تحقیق سید احمد صفر دار احیاء الکتب العربیہ مصر ۱۹۵۴ء ص۳۴۵ ابوحاتم الرازی۔ الزینۃ فی الکلمات الاسلامیۃ العربیۃ۔ مخطوطہ معہد المخطوطات بجامعۃ الادل العربیہ قاہرہ لفظ 'امہ'

(۸) ابوالبقاء، کلیات ۱/۳۰۱ الحکیم ترمذی تحصیل نظائر القرآن ص۸۲

(۹) تفسیر طبری دار الفکر بیروت ۱۹۷۸ء ۱۹۵/۲

(۱۰) ابن فارس، معجم مقاییس اللغۃ دار احیاء الکتب العربیہ مصر طبع اول ۱۳۶۶ھ تحقیق عبد السلام ابوحاتم الرازی، الزینہ فی الکلمات الاسلامیہ العربیہ (مخطوطہ) محمد ہارون جلد اول ص۲۷

(۱۱) ابوالبقاء حوالہ مذکور (۱۲) تفسیر طبری: ۱۹۵/۲

(۱۳) ابن قتیبہ تاویل مشکل القرآن ص۳۴۶ (۱۴) لسان العرب ۱۲/ ۲۷

(۱۵) ابن فارس حوالہ مذکور ص۲۷ ابوحاتم حوالۂ مذکور

(۱۶) لسان العرب ۲۷/۱۲ (۱۷) راغب اصفہانی ص۲۳

(۱۸) تفسیر طبری: ۱۹۵/۲ (۱۹) ابن قتیبہ ص۳۴۵

(۲۰) لسان العرب ۱۲/ ۲۷، ابن فارس حوالہ مذکور ص۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۱) حکیم ترمذی ص۸۲ (۲۲) تفسیر طبری : ۱۲/۵

(۲۳) ابن قتیبہ تاویل مشکل القرآن ص۳۴۵ (۲۴) راغب اصفہانی ص۲۳

(۲۵) ابو حاتم رازی حوالۂ مذکور، راغب اصفہانی المفردات ص۲۳

(۲۶) لسان العرب ۱۲/۲۷ (۲۷) ابن قتیبہ حوالۂ مذکور ص۳۴۵

(۲۸) ابن قتیبہ کو ان لوگوں میں سے قرار دینا جنکے نزدیک 'امم' سے مراد 'امم فی الدین' ہے صحیح نہیں۔ انھوں نے اس کی جو تشریح کی ہے اس سے دونوں مفہوم نکلتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے: "الا امم امثالکم' امم سے مراد اصناف ہے۔ یعنی جانوروں اور پرندوں کی ہر صنف اللہ کی معرفت، روزی کی تلاش اور ہلاکت کی جگہوں سے احتراز میں بنی آدم کے مثل ہے" (مترجم)

(۲۹) ابن تیمیہ کا یہ رسالہ "العبودیۃ" کے نام سے الگ سے بھی شائع ہوا ہے اور مجموعہ رسائل میں بھی شامل ہے (مترجم)

(۳۰) تفسیر طبری : ۷/۱۱۹ (۳۱) ابوالبقاء حوالہ مذکور

(۳۲) تفسیر طبری : ۹/۹۲ (۳۳) تفسیر طبری ۲/۵

(۳۴) ایضاً : ۴/۲۹ (۳۵) ایضاً : ۴/۲۶

(۳۶) تفسیر ابن کثیر ۲/۲۰۹ (۳۷) تفسیر طبری : ۲/۱۹۵

(۳۸) تفسیر طبری : ۶/۱۷۵-۱۷۶ (۳۹) حکیم ترمذی تحصیل نظائر القرآن ص۸۲-۸۷

(۴۰) فراہی، التکمیل فی اصول التاویل، دائرہ حمیدیہ، ۱۳۸۸، ص ۵۹ ۔ مؤلف نے مولانا فراہیؒ کا جو اقتباس یہاں نقل کیا ہے اس کے بعد مولانا نے لکھا ہے: "اس لئے کہ جمہور اہل لغت سے (امۃ کا) یہ معنی مخفی رہ گیا ہے، البتہ انھوں نے اس کے جو معانی بتلائے ہیں وہ اس کے قریب قریب ہیں، دیکھئے ہماری کتاب مفردات القرآن" التکمیل ص۵۹۔ لیکن مفردات القرآن میں اس لفظ کی تشریح نہیں ملتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فراہی اس کی تشریح اپنی کتاب مفردات میں شامل نہ کرسکے۔ البتہ انھوں نے ابن رشیق کی کتاب العمدۃ پر اپنے قلمی حواشی میں اس لفظ کی تشریح کی ہے جو مؤلف کو ڈاکٹر اجمل ایوب اصلاحی صاحب کے زیر طبع ملی جس کا انھوں نے تذکرہ بھی کر دیا ہے۔

اس اقتباس میں مولانا فراہی نے جن دو اصولوں کے ذریعے لفظ 'امۃ' کے معنی کی تعیین کی ہے ان کا تذکرہ ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر عبارت واضح نہ ہو سکے گی۔ مولانا فراہیؒ نے تاویل قرآن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولوں کی تین قسمیں کی ہیں :

۱۔ بنیادی اصول: انھیں اس جگہ اختیار کیا جائے گا جہاں مختلف معانی کا احتمال نہ ہو

۲۔ ترجیحی اصول : جب کلام میں مختلف معانی کا احتمال ہو تو ان اصولوں کی مدد سے راجح معنی اختیار کیا جائے گا

۳۔ چھوٹے اور بے بنیاد اصول :

ترجیحی اصولوں میں سے :

پہلا اصول یہ ہے کہ جب مختلف معانی کا احتمال ہو تو وہ معنی اختیار کیا جائے گا جو مقام اور عمود کلام کے موافق ہو

دوسرا اصول یہ ہے کہ جب کلام میں کئی احتمالات ہوں تو اس مفہوم کو لیا جائے گا جس کی نظیر قرآن میں موجود ہو"

تفصیل کے لئے دیکھئے التکمیل فی اصول التاویل ص۵۲ - ۵۹ " (مترجم)

(۴۱) تفسیر طبری ۵/۱۲ (۴۲) ابوالبقاء ص ۳۰۱-۳۰۲

(۴۳) نووی، تہذیب الاسماء والصفات ۱۱/۲ (۴۴) نووی حوالۂ مذکور

(۴۵) سید قطب تہید فی ظلال القرآن پانچواں ایڈیشن ۱۳۸۶ھ - ۱۹۶۷ء ۹/ ۳۹

(۴۶) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ امت کے معنی بتلاتے ہوئے اس کے اسلامی مفہوم پر یوں روشنی ڈالتے ہیں :

"امت اس جماعت کو کہتے ہیں جس کو کسی امر جامع نے مجتمع کیا ہو جن افراد کے درمیان کوئی اصل مشترک ہو ان کو اسی اصل کے لحاظ سے امت کہا جاتا ہے مثلاً ایک زمانہ کے لوگ بھی امت کہے جاتے ہیں مسلمانوں کو جس اصل مشترک کی بنا پر امت کہا گیا ہے وہ نسل یا وطن یا معاشی اغراض نہیں بلکہ وہ انکی زندگی کا مشن اور انکی پارٹی کا اصول اور مسلک ہے" ماہنامہ ترجمان القرآن اپریل ۱۹۳۹ء مضمون 'اسلامی قومیت کا حقیقی مفہوم' یہ مضمون مسئلہ قومیت اور تفہیمات اوّل شائع شدہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی میں بھی شامل ہے (مترجم)

(۴۷) ابن کثیر، السیرۃ النبویہ دار المعرفۃ بیروت ۱۹۸۳ء تحقیق مصطفیٰ عبدالواحد دوم ص۳۲۲-۳۲۳

(۴۸) "ایک اہم نکتہ جو عام طور سے علماء تاریخ وسماجیات کی نگاہ سے اوجھل رہ گیا ہے کہ دستور مدینہ کے دو دیباچے ہیں۔ ایک سیرت نگار ابن اسحاق کا دیباچہ یا تعارفی نوٹ اور دوسرا قلم نبوی کا دیباچہ جو متنِ دستور کی ابتدائی سطروں پر مشتمل ہے۔ ان دونوں میں ایک بڑا فرق ہے۔ ابن اسحاق نے مہاجرین قریش اور انصار مدینہ کے درمیان ہونے والے معاہدہ یا صحیفہ اولین میں یہودیوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ایک فریق کی مانند شامل کر دیا ہے جس سے یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ دو مسلم طبقات کے ہم پلہ و ہمسر فریق تھے جبکہ دیباچۂ دستور نبوی میں صرف مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین و لواحقین کو دو فریقوں کا درجہ یا شرکاء معاہدہ قرار دیا گیا ہے اور اس طور سے یہی دونوں مسلم طبقات اصل اہل صحیفہ ہے ان میں یہود کا کوئی ذکر نہیں ملتا بعد میں یہودیوں کو بھی حلیف (یا جسکو موجودہ اصطلاح میں مشاہد کن کہتے ہیں) کا درجہ دے دیا گیا۔ غالباً مورخین و علمائے سیرت کے امت اسلامی کے بارے میں غلط نظریہ کا ایک یہ بھی سبب رہا ہے۔ بہرحال یہ امر واضح رہنا چاہئے کہ دستور مدینہ کی اولین دفعہ میں جن لوگوں کو ضمیر جمع غائب (وہ لوگ یہ ھم) کہا گیا ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا ذکر دیباچۂ نبوی میں ہے نہ کہ دیباچۂ ابن اسحاق میں" ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی" عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت" نقوش رسول نمبر، ۳۵۸/۵،

(۴۹) "منٹگمری واٹ (محمد ایٹ مدینہ ص۲۲۱) نے دستور مدینہ کی اس دفعہ کا ترجمہ غلط کیا ہے اور صحیح ترجمہ بھی دیا لیکن اس کی تعبیر و تشریح الٹی کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "اس دفعہ کا مطلب ممکن طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود بنی عوف مسلمانوں کے متوازی ایک امت تھے لیکن غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ہی امت میں شامل تھے" ابن ہشام دوم صفحہ ۵۰۱ کے متن میں بنی عوف کے یہود کے لئے فقرہ ہے امة مع المومنین نہ کہ امة من المومنین جس کا واضح مفہوم ہے کہ یہود بنی عوف مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایک اور امت ہیں جو بہرحال مسلمانوں سے الگ اور ممتاز تھی۔ عربی زبان میں 'من' (سے) اور 'مع' (ساتھ) کا فرق بدیہی ہے جو تمام علمائے لغت جانتے ہیں مستشرق موصوف بھی اس سے نابلد نہیں اسی وجہ سے وہ اس کا صحیح مفہوم بھی دیتے ہیں لیکن اس کی تشریح الٹی کرتے ہیں ورنہ ان کا نظریۂ امت باطل ٹھہرے گا یہاں یہ نکتہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس دفعہ میں "مسلمانوں کے لئے ان کا دین اور بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ان کا دین" مزید کہہ کر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ امت ہیں۔ اسی ضمن میں قرآن مجید کی سورہ کافرون کی آخری آیت "لکم دینکم ولی دین (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے) بھی سامنے رکھنی چاہیے۔ کیا دستور مدینہ کی متعلقہ دفعہ آیت قرآنی کی صدائے بازگشت نہیں ہے؟ بعض مستشرقین ہی نے نہیں بلکہ اس سلسلہ میں ان کے خوشہ چیں مشرقی مسلم مورخین جیسے برکات احمد اور حمید اللہ نے امت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مفہوم بے انتہا غلط اور غیر تاریخی بنا دیا ہے" محمد یٰسین مظہر صدیقی، عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت (حواشی) نقوش رسول نمبر جلد ۱۲ صہ ۱۱۱-۱۱۲ حاشیہ ۶۹

۵۰ "غالباً ولہاؤزن (عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال انگریزی ترجمہ لندن ۱۹۲۷ء صہ ۱۲-۱۱) اس نظریہ کا بانیٔ اول تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ خیال اپنے پیش رو جرمن علمائے تاریخ سے مستعار لیا ہو۔ بہر حال اس کا خیال ہے جو عجیب و غریب تضادات اور نرالی منطق پر مبنی ہے کہ "رشتہ اتحاد مذہب ہے اور مومنین اس کے حامی و ناصر ہیں چنانچہ ان کو خاص حقوق اور فرائض حاصل ہیں۔ پھر بھی ایسا نہیں ہے کہ صرف مومنین ہی اس میں شامل ہیں بلکہ وہ تمام لوگ جو ان سے اتحاد کر لیں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں یعنی تمام باشندگان مدینہ۔ امہ ایک وسیع علاقے اور خطے پر حاوی تھی۔ مدینہ کے تمام اطراف و حدود نا قابلِ تنسیخ معاہدہ کا علاقہ تھا۔ انصار میں اس وقت بھی غیر مسلم عرب تھے اور وہ بھی امہ سے خارج نہیں کئے گئے تھے بلکہ واضح طریقہ سے ان کو شامل کیا گیا تھا۔ یہود بھی اس میں شامل تھے اگرچہ امہ میں ان کو وہ قریبی تعلق اور مقام حاصل نہ تھا جو انصار اور مہاجرین کو حاصل تھا۔ اسی لئے ان کے حقوق و فرائض بھی ویسے ہی اور برابر و یکساں نہ تھے۔ واٹ (محمد ایٹ مدینہ صہ ۶-۲۲۵ اور صہ ۴۲-۲۴۱) بھی ولہاؤزن کی اتباع میں مدینہ کے تمام فریقوں اور طبقوں (مسلمانوں، یہودیوں اور غیر مسلم عربوں) کو امت میں شامل کرتے ہیں۔ اسی طرح شامل کرتے ہیں ایف۔ ای۔ پیٹرز۔ اللہ کی کامن ویلتھ — ALLAH'S COMMON WEALTH، برکات احمد۔ محمد اور یہود (انگریزی) صہ ۴۸-۴۶، محمد حمید اللہ۔ محمد رسول اللہ (انگریزی) صہ ۵۷] نقوش رسول نمبر جلد ۱۱ صفہ ۱۱۰-۱۱۱ حاشیہ ۷۶

۵۱ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنی کتاب 'عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت' (اشائع شدہ نقوش رسول نمبر جلد پنجم) میں دستور مدینہ پر بحث کرتے ہوئے مستشرقین کے اس اعتراض کا جائزہ لیا ہے۔ لکھتے ہیں: "تمام مغربی اور بعض مشرقی مورخین و علماء کا یہ خیال کہ غیر مسلم طبقات مدینہ۔ یہودی عیسائی اور غیر مسلم عرب۔ بھی اس امت کے دائرے سے خارج نہ تھے۔ نہ صرف اس دستور مدینہ کی روح کے منافی ہے بلکہ بجائے خود مذہب اسلام پر مبنی امت کے دائرے سے خارج نہ تھے۔ نہ صرف اس دستور مدینہ کی روح کے منافی ہے بلکہ بجائے خود مذہبِ اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مبنی امت کے نظریہ کی کاٹ کرتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ دستور کے تعارفی کلمات سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ اساسی اور بنیادی طور پر قریش مکہ اور انصار مدینہ کے مسلمانوں اور مومنوں کے درمیان ہوا تھا اور ان دونوں طبقات مسلمین کے لواحقین و متبعین ان کے طفیل میں شریک و سہیم معاہدہ بن گئے تھے ۔ اس صحیفہ کی پہلی دفعہ میں جن لوگوں کو "امت واحدہ ممتاز از اقوام دیگر" کہا گیا ہے وہ بنیادی طور سے صرف مہاجرین و انصار کے دو طبقات تھے ۔ انھیں کو امۃ اللہ کہا گیا ہے جس کا حاکم مطلق خدائے واحد تھا اور اسی زمین پر خلیفۃ اللہ محمد رسول اللہؐ تھے ۔ چونکہ یہ نئی امۃ اللہ ایک نیا مذہب اسلام ماننے کے سبب وجود میں آئی تھی اور وہی اس کی اساس حقیقی بھی تھی اس لئے صرف اور صرف مسلمان ہی اس امت کے ارکان تھے یا بن سکتے تھے ۔ یہی بات بڑی صراحت کے ساتھ دستور مدینہ کی دفعات نمبر ۱، ۲، ۱۵، ۲۵ سے بھی معلوم ہوتی ہے" تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ۔ نقوش رسول نمبر جلد پنجم مضمون عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت صفحہ ۳۵۲ ۔ ۳۶۱ ۔

۵۲ عہد نامہ جدید، انجیل متی ۱۵ : ۲۴

۵۳ فراہی ۔ فی ملکوت اللہ، دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ ۱۳۹۱ھ صفحہ ۱۹

۵۴ اس موضوع پر مولانا فراہی کی تحریر کے لئے دیکھئے مفردات القرآن دائرہ حمیدیہ اعظم گڑھ لفظ 'الاسلام'

علوم القرآن کے پرانے شمارے

ششماہی علوم القرآن کے پہلے شمارہ کے لیے مستقل خطوط موصول ہو رہے ہیں ۔ اسٹاک میں اس شمارہ کی کاپیاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ادارہ ان فرمائشوں کی تعمیل سے قاصر ہے ۔ اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ اگر کوئی صاحب ازراہِ کرم شمارہ اوّل ادارہ کو عنایت فرمائیں تو ان کی خدمت میں علوم القرآن کا تازہ شمارہ پیش کیا جائیگا ۔

شمارہ دوم، سوم و چہارم کی کچھ کاپیاں دستیاب ہیں ۔ خواہش مند حضرات اس سلسلہ میں ادارہ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں ۔

© rasailojaraid.com